ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

ادیبوں کے حقوق اور مسعود مفتی

***بشریٰ بانو**
پی۔ایچ۔ڈی اسکالر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور
****ڈاکٹر عارفہ اقبال**
ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ اُردو، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

ABSTRACT:
Masud Mufti is one of those visionary authors who viewed this world through the lens of a thinker and emphatically responded to the prevailing injustices in society. He never restrained himself from raising his voice against the wide spread inequality and unjust practices of his time. In this article, he steps into the shoes of the socially manipulated writers to feel their pain. Apart from speaking against inhuman social practices against the writers, he utilized his public authority to provide justice to contemporary authors. He was very well aware that authors are a fundamental part of the community they live in and they won't be able to do justice with their writings if surrounded by the economic crisis. This article throws light on his endeavours for the rights of authors.

کلیدی الفاظ: مسعود مفتی، ادیبوں کے حقوق، معاشرتی ناانصافی، ادیبوں کے مسائل اور معاشی استحصال۔

مسعود مفتی کا شمار اُردو ادب کے ادیبوں میں ہوتا ہے۔ انھوں نے زندگی کے حقائق کو ہمیشہ ایک مفکر کی نگاہ سے دیکھا اور معاشرتی ناانصافیوں پر اپنے شدید ردِ عمل کا اظہار بھی کیا۔ انھیں اپنے گرد و نواح میں جہاں کہیں ناانصافی اور ناہمواری نظر آئی، انھوں نے باوجود ایک سرکاری افسر ہونے کے اُس کے خلاف قلم اُٹھانے سے دریغ نہیں کیا۔ خواہ جاگیر دارانہ نظام کی بالادستی اور اُس کے نتیجے میں کمزوروں کے حقوق کی پامالی کا مسئلہ ہو یا فرقہ وارانہ تعصب سے پیدا شدہ معاشرتی مسائل، انھوں نے علمِ حق ہمیشہ بلند کیا۔ پاکستان میں لکھاریوں کے اعزازیے کے حصول کے حوالے سے انھوں نے مختلف اخبارات و رسائل میں لکھا اور حکام بالا کی توجہ مبذول کروائی۔ اپنے ساتھ ہونے والی اس ناانصافی کے خلاف ادیبوں کو متحد ہونے اور اپنے حقوق کی جدوجہد کرنے پر اُبھارا کیونکہ اُن کے خیال میں دیگر محنت کشوں کی طرح ادیب بھی ایک محنت کش ہوتا ہے جس کی محنت کا پھل ناجائز طور پر دوسرے مفاد پرست کھاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہونے والی زیادتی کا اثر اس کی ادبی کاوشوں پر بھی پڑتا ہے۔ یوں ناشروں کے ہاتھوں ادیبوں کا شدید استحصال ہوتا ہے۔ حکومت نے محنت کشوں کے حقوق کے لیے بہت سی اصلاحات کیں تو مسعود مفتی نے حکومت کی توجہ دلائی کہ وہ ذہنی محنت کشوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے مناسب اقدامات کرے اور ایک ایسی کمیٹی تشکیل دی جائے جو تمام حالات کی چھان بین کر کے تحقیق کرے کہ کاپی رائیٹ ایکٹ پر عمل درآمد نہ ہونے کی کیا وجوہات ہیں اور اس کے تحت قائم ہونے والے ادارے کیوں ناکام ہوئے اور اس کمیٹی کے ممبران کوئی ادیب یا ناشر نہیں بلکہ غیر جانبدار اشخاص یا ہائی کورٹ کے جج صاحبان ہوں تاکہ وہ شفاف طریقے سے تمام معاملات کی تحقیق کر سکیں۔

مسعود مفتی نے حکومتی اقدامات اور تجاویز کے ساتھ ساتھ ادیبوں کو اپنے حقوق کے لیے تحریک چلانے پر آمادہ کیا تاکہ وہ آواز بلند کریں کہ ہر ادیب کو قلم کے ذریعے روزی کمانے کا حق حاصل ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں انفرادی اور اجتماعی کوششیں انتہائی ناگزیر ہیں۔ مسعود مفتی نے ادیبوں کو انفرادی کوشش کرنے کے لیے کچھ تجاویز پیش کیں۔ انھوں نے پہلی تجویز یہ دی کہ ناشروں کی بددیانتی کا مقابلہ کرنے کے لیے ان کے پاس صرف ایک ہی ہتھیار ہے اور وہ ہے دیانتداری سے کام کرنا کیونکہ مصنفین ناشرین کے ہتھکنڈوں سے بہت بددل ہو چکے ہیں۔ ان کا ہر خلوص اور دیانتدارانہ اظہار انھیں اپنی جانب کھینچ سکتا ہے۔ مصنفین کو چاہیے کہ وہ اپنی کتابیں خود شائع کریں اور معاملے میں وہ اس لیے ہچکچاہٹ کا شکار ہیں کیونکہ ایک تو ان کے پاس سرمائے کی کمی ہے، دوسرے انھیں طباعت و اشاعت کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔ لیکن جب وہ اس میدان میں قدم رکھیں گے تو خطرہ مول لینے سے نہیں گھبرائیں گے۔ ایسے ادیب جو اپنی کتابیں چھاپنے کی استطاعت رکھتے ہیں، وہ کتب فروشوں کی مدد سے یہ کتابیں قارئین تک پہنچانے کا انتظام کریں۔ اس سے مصنف اور کُتب دونوں کو فائدہ ہو گا۔ مصنف کو خود بھی اندازہ ہو گا کہ کتنی کتب شائع ہوئی ہیں اور وہ دوسرے ایڈیشن سے

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

بھی فائدہ اُٹھا سکے گا۔ جب مصنف کو اپنی کاوشوں کا صلہ ملے گا تو وہ اپنی دیگر ملازمت چھوڑ کر ادب کی بہتر خدمت کرنے کے قابل ہو جائے گا۔ یوں ناشر اپنا طرزِ عمل بدلنے پر مجبور ہو جائیں گے اور ادیب کو مناسب معاوضہ دیں گے۔ اگر مصنف ایسا نہیں کریں گے تو ناشرین کا زور ٹوٹنے کی بجائے مزید مضبوط ہو جائے گا۔

مسعود مفتی نے ادبی جرائد کے مالکان اور مدیران کی اصلاح کے لیے بھی تجاویز دیں کیونکہ یہ حضرات ادیبوں کو ہمیشہ یہی تاثر دیتے رہتے ہیں کہ ادبی جرائد کے کام میں کوئی فائدہ نہیں اور اس خسارے کی وجہ سے ادیبوں کو معاوضہ دینا ممکن نہیں ہے جو کہ غلط تاثر ہے۔ ایک مستند جملہ جو عام ہے کہ انسان جھوٹ بول سکتا ہے لیکن حالات جھوٹ نہیں بولتے اور یہ حالات کی شہادت رسالہ مالکان کے خلاف جاتی ہے۔ اگر کسی تاجر کو کاروبار میں ایک یا دو دفعہ نقصان ہو تو وہ کوئی دوسرا کاروبار شروع کر لیتا ہے۔ جبکہ ادبی رسالے برسوں چلتے رہتے ہیں۔ اس لیے یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ ان ناشروں کو خسارہ ہوتا ہے۔ ان کے دفاتر بھی کرائے پر ہیں، اُن میں ٹیلی فون کے کنکشن بھی لگے ہیں۔ دو یا تین کل وقتی ملازم بھی رکھے ہیں، ہر وقت آنے جانے والوں کے لیے چائے کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔ گھاٹے کی صورت میں یہ اخراجات برداشت کرنا ممکن نہیں۔

مسعود مفتی نے اس صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے تجویز دی کہ کوئی ادیب ایسا رسالہ خود جاری کرے اور اس کے ہر لفظ کا معاوضہ دے اور تمام اخراجات بھی پورے کرے اور ادبی ماہناموں کی بھی وہی قیمت مقرر کی جائے جو عام ڈائجسٹ کی ہے۔ انھوں نے تمام اخراجات کا تخمینہ بھی لگا کر دیا۔ اُن کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ اگر ادیب اپنے رسالے میں اچھی تحریریں شامل کرے گا اور خراب تحریروں کو نامنظور کرے گا تو اس کے رسالے کی مانگ بڑھ جائے گی۔ رسالے کی تعداد بڑھنے سے زیادہ اشتہارات ملیں گے جس سے منافع بھی زیادہ ہو گا۔ مسعود مفتی کی رائے میں ادیبوں کو اعزازی پرچے بھجوانے کی ضرورت نہیں بلکہ ان کی شائع کردہ تحریر کا تراشا انھیں بھیجا جائے باقی پرچے مارکیٹ میں فروخت ہوں۔

ادبی رسالوں کے مدیران ہر وقت یہ رونا روتے دکھائی دیتے ہیں کہ رسالے بکتے نہیں۔ مسعود مفتی کی تجویز کے مطابق جب رسالہ معیار ہو گا تو ہاتھوں ہاتھ بکے گا۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ رسالے کے مالکان اور مدیر رسالوں کی تعداد صیغۂ راز میں رکھتے ہیں۔

مسعود مفتی اس حوالے سے کہتے ہیں:

> ”جس دن کسی زیرک ادیب یا تاجر نے یہ نکتہ جان لیا کہ اشاعت و اطاعت کے میدان میں مفاد پرستوں کی مسلسل بددیانتی کا واحد توڑ مسلسل دیانت داری ہے اور اس پر عمل شروع کر دیا تو اس دن وہ ان کا سارا کاروبار کھینچ کر لے جائے گا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ عام روش سے ہٹ کر سوچا جائے تو یہ نکتہ خود بخود سمجھ آ جائے گا۔(1)

درج بالا تجاویز پر عمل کر کے ادبی پرچوں کی آمدنی سے ادیبوں کو معاوضہ دینا قابل عمل ہے۔ جب کوئی ادیب معیاری ادبی رسالہ دیانتداری سے شائع کرے اور تمام مصنفین کو بروقت معاوضہ بھی دے تو تمام ادیب اپنی اچھی تحریریں اس رسالے میں جمع کروائیں گے۔ مسعود مفتی نے مفاد پرست ناشروں کی بددیانتی کا راز فاش کیا اس کا اظہار انھوں نے یوں کیا ہے:

> ”اس پروپیگنڈے کے باوجود کہ یہ گھاٹے کا سودا ہے، ناشرین اس کاروبار کو ترک نہیں کرتے بلکہ مسلسل اختیار کیے رہتے ہیں اور اپنے نوجوان بھانجوں، بھتیجوں کو پیشوں کی طرف جانے سے پہلے ہی اپنے ساتھ شامل کر لیتے ہیں۔ اس وجہ سے بعض خاندانوں میں یہ پیشہ نسل در نسل چلا آتا ہے۔ اسی ”گھاٹے کے سودے“ سے یہ اپنے بچوں کو تعلیم دلاتے ہیں، ان کی شادیاں کرتے ہیں۔ اپنے اور ان کے لیے جائیدادیں بناتے ہیں اور اپنے کاروبار کو وسیع سے وسیع تر کرتے چلے جاتے ہیں۔ ان کا معیارِ زندگی زیادہ تر ادیبوں سے بہتر ہوتا ہے اور یہ معاشی طور پر اتنے آسودہ ہوتے ہیں کہ سوسائٹی کے باعزت طبقے میں شمار ہو سکیں۔“ (2)

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

مسعود مفتی اس بات پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں کہ پاکستان رائٹرز گلڈ نے اس مسئلے پر توجہ نہیں دی اور یہ ادیبوں کی بد قسمتی ہے۔ ہر ادیب کی یہ فطری خواہش ہوتی ہے کہ وہ کسی معروف رسالے میں چھپے۔ لیکن چھاپنے کی استطاعت پر ناشرین قابض ہیں۔ یہ لوگ ادیب کی اس جائز خواہش کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں اور اس کے ممنون ہونے کی بجائے اس پر احسان جتاتے ہیں۔

مسعود مفتی نے ناشرین کو ادبی رسائل کے مسائل کا حل بتایا اور موثر تجاویز پیش کیں کہ ادیبوں کو کس طرح معاوضہ دیا جائے۔ انھوں نے ملک کے نمایاں ادبی رسالوں کے مدیران سے بحث بھی کی۔ اظہر جاوید اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

> "ضمیر جعفری کے ہاں ایک تقریب میں مسعود مفتی نے "تخلیق" کے مدیر اور "نیرنگ خیال" کے مدیر سلطان رشک کو گھیر لیا اور یہ سوال کیا کہ آپ ادیب کو معاوضے کیوں نہیں دیتے؟ سوال تو غیر معقول تھا مگر غور طلب بھی تھا۔ سلطان رشک متحمل مزاج اور صلح جو آدمی ہیں، وہ جلد کنی کترا گئے، بالکل اس طرح جیسے کرنل صدیق سالک بھی پل کے پل رُکے اور پھر کھسک گئے۔ مدیر "تخلیق" نے بتایا کہ اس وقت کوئی بھی ادبی پرچہ ایسا نہیں جو خالصتاً کمائی کر رہا ہو یا نفع کی بلندیوں پر ہو، یہ گھاٹے کا دھندا اور وبال کا سودا ہے اور یوں کہیے کچھ سر پھروں کا سودا ہے کہ اس دور میں جبکہ ڈائجسٹ پرچوں، اخباروں کے ادبی ایڈیشنوں اور ریڈیو، ٹیلی وژن کے برائے نام ادبی پروگراموں نے جہاں ادبی رسائل کو زک پہنچائی ہے، وہیں فلمی رسائل اور عام قسم کے پرچوں نے قارئین کے ذوق کو بھی ضعف دیا ہے۔ اس طرح لگی بندھی قدریں اکھڑ گئی ہیں اور علم و ادب کی تمام روایات خجل سی نظر آتی ہیں۔"
> (3)

ان ساری توجیہات کے جواب میں مسعود مفتی نے ان سے یہ استفسار کیا کہ اگر یہ اس قدر گھاٹے کا سودا ہے تو ادبی رسائل تو بند ہو جانے چاہئیں اور جب اوراق ،سیپ اور افکار جیسے رسالے شائع ہو رہے ہیں تو مزید کی کیا ضرورت ہے۔ مسعود مفتی نے انجمن ادبی رسائل کے تعطل اور خاموشی پر بھی سوال اٹھائے۔ مسعود مفتی اس معاملے میں بہت زود رنج تھے۔ وہ پاکستانی ادیب کے مسائل حل کرنے کے لیے کوشاں رہے۔ ان کے خیال میں دیگر پیشہ وروں کی طرح پاکستانی ادیب کی بھی دو حیثیتیں ہیں، ایک عام شہری کی اور دوسری ادیب کی۔ یوں اسے دو طرح کے مسائل کا سامنا رہتا ہے۔ عام شہری کے مسائل مہنگائی، بدامنی، رشوت ستانی، تعلیمی سہولتوں کا فقدان، انصاف کی عدم دستیابی، فرعون صفت بیوروکریسی، منہ زور پولیس، بے لگام معاشرہ اور ٹوٹتی ہوئی اقدار ہیں۔ دوسری طرف ادیبوں کے معاشرے کا فرد ہونے کی حیثیت سے ان مسائل کا بھی ادیبوں کو سامنا ہے۔ اور ادبی حوالے سے بھی استحصال کا بھی شکار ہیں۔ ان مسائل سے عام شہری آشنا نہیں ہیں۔ انہی مسائل سے ادیب کو موضوعات ملتے ہیں اور انہی مسائل میں ادیب کی تعمیر مضمر ہے۔ معاشرے میں ظلم، ناانصافی، آنسو اور آہیں اس کے تخلیقی عمل کو خام مال فراہم کرتے ہیں۔ یہ مسائل بطور عام شہری اُسے پریشان کرتے ہیں جبکہ بطور ادیب اسے خالق بناتے ہیں اور اس کے فن کو زندگی بخشتے ہیں۔

تکلیف دہ پہلو یہ ہے کہ ادیب اپنی تخلیق سے خود روزی نہیں کما سکتا لیکن اس کی تحریر سے کاتب، کاغذ فروش، پریس کا عملہ، ٹھیلے والا، گاڑی بان، ڈاک کا محکمہ، کتب فروش، پبلشرز، گتہ، گوند، سیاہی اور رسی بیچنے والے روزی کماتے ہیں۔ گویا ادیب اندھیرے میں رہ کر دوسروں کے لیے چراغ مہیا کرتے ہیں اور ادبی مشقت اُٹھانے کے باوجود وہ بے روزگار ہی کہلاتے ہیں۔

مسعود مفتی نے ادیبوں کے ساتھ ہونے والی ایک اور زیادتی کی نشاندہی کی کہ ناشر ادیبوں کے ساتھ واجبی سی رائلٹی کا معاہدہ کر لیتے ہیں لیکن بعد میں ایک کوڑی بھی نہیں دیتے، زیادہ سے زیادہ ایک ہزار کتب کے ایڈیشن کی رائلٹی دیتے ہیں اور خود کئی ہزار کتب بغیر رائلٹی کے چوری چوری بیچتے ہیں۔ یوں مصنف کو نقصان اور ناشر فائدے میں رہتا ہے۔ اس کاروبار کی ایک نئی صورت یہ بھی دیکھنے میں آئی ہے کہ پبلشر بڑے بڑے ادیبوں کو کرائے یا ٹھیکے پر لے لیتے ہیں۔ انھیں کچھ رقم ماہوار ادا کر کے خود دھڑا دھڑ کتب بیچتے رہتے ہیں۔ اس طرح مصنف کی آمدنی اور پبلشر کے منافع میں کوئی نسبت نہیں رہتی۔ مصنف بے چارہ بہ مشکل گزارا کرتا ہے اور ناشر فلک بوس عمارتیں تعمیر کرتا جاتا ہے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

مسعود مفتی نے ایک اور ستم ظریف پہلو کی نشاندہی بھی کی کہ وطن عزیز میں شرح خواندگی بہت کم ہے اور کتابوں کی قیمت بہت زیادہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کاروبار انتہائی منافع بخش ہے۔ مصنف ادھ مواہو جاتا ہے جبکہ پبلشر کے مالی حالات مستحکم ہوتے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ ادیبوں کی فلاح و بہبود کی خاطر قائم کردہ ادارے بھی اس مسئلے کو نظرانداز کر دیتے ہیں کیوں کہ ان اداروں پر بھی ناشرین اور ان کے نمائندے قابض ہوتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ادیب اپنے معاشی مسائل میں ہی الجھا رہتا ہے۔

ادیب کا یہ فرض ہے کہ اپنے منصب کو پہچانے، اس کے تقدس کو برقرار رکھے اور اسے بلند کرنے کے تمام تقاضے پورے کرے یعنی فن اور تخلیق کا معیار بلند سے بلند تر کرے۔ آفاقی بصارت اور بصیرت کے ساتھ ساتھ قومی معاملات میں سچائی کا متلاشی ہو۔ آزادی اظہار کے لیے جہاد کرے اور کلمۂ حق بلند کرے۔ یہ اس صورت میں ممکن ہے جب اس کا قلم خود کفیل ہو گا ورنہ وہ اس رزق کی تلاش پر مجبور ہو جائے گا جس سے اس کی ادبی پرواز میں کوتاہی آئے گی۔ روزی کا حصول اس کی بنیادی ضرورت بن جائے گا اور قلم کا تقدس ثانوی حیثیت اختیار کر جائے گا۔ وہ مصلحتوں کا غلام بن جائے گا۔ خوشامد اور چاپلوسی اس کے آزادئ اظہار کے راستے کی رکاوٹ بن جائے گی۔ وہ اپنی سوچ کو دبا کر دستورِ محفل کی پیروی کرے گا۔ اس قسم کے حالات میں اچھے ادیب نہیں بلکہ قصیدہ گو، میراثی اور بھانڈ جنم لیتے ہیں۔ انھوں نے شیخ سعدی کی ایک حکایت کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ ایک دانا نے خواب دیکھا کہ بادشاہ جنت میں ہے اور درویش دوزخ میں ہے، فرشتوں نے وجہ بتائی کہ بادشاہ، درویشوں کی خدمت کرتا تھا اور درویش بادشاہوں کا قرب ڈھونڈتا تھا۔ اس لیے دوزخ میں ہے۔ اس حکایت کا اطلاق ادیبوں پر بھی ہوتا ہے جب وہ روزی کے لیے اپنے قلم کی بجائے بادشاہوں کا سہارا ڈھونڈتے ہیں تو اپنے منصب سے گر جاتے ہیں۔

ادیبوں کے مطالبات کے حوالے سے مسعود مفتی نے یہ تجویز پیش کی کہ وہ مکانوں کے لیے پلاٹ بچوں کی تعلیم کے لیے وظیفے، بیواؤں کی کفالت، بچوں کی شادیوں کے لیے گرانٹ، بیرون ملک جانے والے وفدوں میں شمولیت اور اس طرح کے دیگر مطالبات کی بجائے اپنی تحریروں کے مناسب معاوضے کا مطالبہ کریں تاکہ ان کے تمام معاشی مسائل حل ہو سکیں۔ ایک ایسی تحریک چلائیں جس کے تحت کاپی رائٹ ایکٹ میں اس طرح ترمیم کی جائے اور پبلشر کسی ادیب کا حق نہ مار سکیں۔ مسعود مفتی نے مختلف رسالوں اور اخبارات میں اس موضوع پر مضامین لکھے اور ادیبوں کو شعوری طور پر بیدار کرنے اور اپنا حق مانگنے پر اُبھارا۔ کاپی رائٹ ایکٹ کے حوالے سے مسعود مفتی لکھتے ہیں:

> "کاپی رائٹ کے حقوق مصنف کی وفات کے پچاس سال بعد تک قائم رہتے ہیں۔ اس کے بعد ختم ہو جاتے ہیں۔ اس قانون کے تحت رجسٹرار کا دفتر کراچی میں قائم کیا گیا ہے جو مصنف کی درخواست پر مصنف کے حق میں کاپی رائٹ کی توثیق کرتا ہے اور یہ توثیق ہر عدالت تسلیم کرتی ہے۔ اسی آرڈیننس کے تحت کاپی رائٹ بورڈ کی تشکیل بھی ضروری ہے یہ بورڈ رجسٹرار کے فیصلوں کے خلاف اپیل سن سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص (جس میں پبلشر بھی شامل ہے) مصنف کے اپنے یا تفویض کردہ حقوق غصب کرتا ہے یا انھیں مجروح کرتا ہے تو جرم کے تناسب سے ملزم کو تین سال تک قید اور ایک لاکھ روپے تک جرمانہ ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ مصنف دیوانی چارہ جوئی کے ذریعے حکم امتناہی اور معاوضہ بھی حاصل کر سکتا ہے۔ دیوانی کارروائی کے لیے ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج مجاز ہے۔ فوجداری کارروائی کے لیے اس قانون کی خلاف ورزی قابل دست اندازی پولیس ہے اور مصنف خود بھی مجسٹریٹ درجہ اوّل کی عدالت میں رجوع کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ بعض حالتوں میں مصنف کاپی رائٹ بورڈ کے پاس بھی قانونی چارہ جوئی کر سکتا ہے ان تمام عدالتی فیصلوں کے خلاف حسبِ قواعد اپیل بھی دائر کی جاسکتی ہے۔"(4)

شومئ قسمت کہ اس قانون پر کوئی عمل درآمد نہ ہو سکا۔ صرف کراچی اور لاہور میں رجسٹرار اور ڈپٹی رجسٹرار کے دفاتر قائم ہیں۔ بورڈ کا دفتر کراچی میں ہے اور اس کا چیئرمین ریٹائرڈ سیشن جج ہیں جبکہ قانون کی رو سے ہائی کورٹ کے حاضر سروس یا ریٹائرڈ جج کو ترجیح دینے کا حکم ہے۔ سال بھر میں تین سو درخواستیں وصول ہوتی ہیں جن میں زیادہ تر آرٹ اور ڈیزائن کاپی رائیٹ سے متعلق ہوتی ہیں۔ ادبی کتب کے مقدمات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ درجہ یہ ہے کہ زیادہ تر ادیب اپنے حقوق اور ان اداروں کے وجود سے لاعلم ہیں۔ مسعود مفتی نے مصنفین کو ان کے حقوق اور حکومتی اقدامات کے حوالے سے آگاہ کرنے کی کوششیں کیں۔

بظاہر تو یہ قانون مصنفین کے حق میں نہایت موثر دکھائی دیتا ہے لیکن عملی طور پر اس کے لیے مددگار نہیں۔ اس قانون کے تحت مصنف کو ایسی کوئی سہولت میسر نہیں کہ وہ ناشر کی بددیانتی پکڑ سکے جب تک اس آرڈیننس میں ترمیم نہیں کی جاتی تب تک مصنف کو اس کے حقوق ملنا مشکل ہے۔

مسعود مفتی نے ادیبوں کو اس بات کی طرف بھی مائل کیا کہ اگر حکومتی سطح پر ان کی فلاح کے اقدامات نہیں کیے جاتے ہیں تو وہ سب مل کر رضاکارانہ طور پر ایک مرکز بنائیں اور متحد ہو کر تحریک چلائیں۔

مسعود مفتی نے اہلِ قلم کے معاوضہ کی ادائیگی کے لیے ہر ممکن اقدامات کیے جن کی تفصیل بالائی سطور میں بیان کی گئی ہے۔ انھوں نے نہ صرف ادیبوں کے مسائل پر روشنی ڈالی بلکہ ان مسائل کے حل کے لیے مناسب تجاویز بھی پیش کیں۔ مختلف رسالوں اور اخبارات میں مضامین لکھے اور پاکستان کے تمام اہلِ قلم کی آواز بن گئے۔ یہ حقیقت ہے کہ کوئی بھی فرد کسی بھی نظریے کی تبلیغ کرتا ہے یا کسی تحریک کا آغاز کرتا ہے تو اسے بہت سی مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اگر پائے استقامت متزلزل نہ ہوں تو کامیابی یقینی ہے۔ مسعود مفتی نے جب اس تحریک کا آغاز کیا تو ساری ادیب برادری ان کی ہم نوا بن گئی اور ان کی قیادت کو دل سے قبول کیا لیکن دوسری طرف انھیں بہت سے مدیران اور پبلشرز کی مخالفت بھی سہنا پڑی چونکہ مسعود مفتی ادیب ہی نہیں بلکہ ایک بااختیار سرکاری عہدے دار تھے لہٰذا ان کی قیادت میں ادیبوں کو نہ تو جلوس نکالنے پڑے، نہ ہڑتال کرنا پڑی اور نہ سڑکوں پر نکل کر نعرے لگانے کی نوبت آئی۔ مسعود مفتی چاہتے تو ان ناشروں کی بددیانتی کے خلاف اپنے سرکاری اختیارات استعمال کر سکتے تھے۔ لیکن انھوں نے اپنی تحریروں سے اپنا موٴقف بیان کیا۔ گوشواروں کی مدد سے اپنی بات واضح کرنے کی کوشش کی، اخراجات اور آمدنی کی تمام تفصیل سامنے رکھی۔ اس مسئلے سے متعلق شائع کردہ ایک مضمون کے جواب میں عطاالحق قاسمی "روزنِ دیوار سے" میں لکھتے ہیں:

> "مفتی صاحب نے اپنی سٹیٹمنٹ میں سبھی مدیران کو ایک ہی لاٹھی سے ہانک دیا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے بعض مدیران نہ صرف یہ کہ تمام آئیڈلسٹ رہے ہیں بلکہ انھوں نے اپنے نظریے کے ساتھ وابستگی کے ضمن میں اس قدر استقامت کا ثبوت دیا ہے کہ خود انھیں آئیڈیل بنایا جا سکتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جہاں لکھنے کا فعل بذاتِ خود ایک کمٹ منٹ ہے، وہاں معیاری تخلیقات کو ایک لڑی میں پرونے کا کام بھی گہری وابستگی ہی سے منسلک فعل ہے۔ چنانچہ ہمارے بیشتر مدیران ادبی جرائد وہ لوگ ہیں جو بذاتِ خود تخلیق کار ہیں اور رسائل کی تدوین کو بھی وہ اپنے ذوقِ تخلیق ہی کی ایک کڑی سمجھتے ہیں۔ چنانچہ جس طرح غزل، نظم یا افسانہ تخلیق کرتے وقت کسی فنکار کے ذہن میں منافع یا خسارے کا خیال نہیں آتا۔ اسی طرح مدیران جرائد بھی پوری Devotion کے ساتھ اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں اور سالانہ خسارہ ان کے پاؤں کی زنجیر نہیں بن پاتا۔ آپ یوں کہہ لیں کہ مدیرانِ جرائد کا ایک طبقہ اگر کسی مخصوص نظریے سے وابستہ نہیں بھی ہے تو بھی اس کی وابستگی لکھنے اور اسے شائع کرنے کے عمل سے ہے اور یہ کمٹمنٹ بھی کسی دوسرے کمٹمنٹ سے کم تر نہیں ہے۔(5)

عطاالحق قاسمی نے اپنے اس کالم میں مدیران کا بھرپور دفاع کیا۔ ساتھ ہی اس امر کی وضاحت بھی کی کہ اس سے کسی کو یہ مغالطہ ہر گز نہیں ہونا چاہیے کہ وہ ادیبوں کے معاوضے کے حق میں نہیں۔ انھوں نے اس مسئلے کے بارے میں مسعود مفتی کی رائے سے اتفاق کیا کہ ادبی جرائد کے لیے ماحول سازگار ہونا چاہیے۔ انھیں زیادہ سے زیادہ سرکاری اشتہارات ملنے چاہیں۔ ملک کی تمام لائبریریوں کے لیے لازمی قرار دیا جائے کہ وہ ان ادبی رسالوں کو خریدیں تاکہ یہ رسالے اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں اور ادیبوں کو زیادہ معاضہ دینے کے قابل ہو سکیں۔ جب تک یہ اقدامات نہیں کیے جاتے ان جرائد کے مالکان سود وزیاں سے بے نیاز ہو کر بازاری ڈائجسٹوں کی پیدا کردہ تاریک فضا میں اپنی شمع روشن کیے رکھیں۔ کیونکہ یہ وقت کی بہت بڑی ضرورت ہے۔

مسعود مفتی کی اس مہم کے حوالے سے ادبی حلقوں میں کافی گرما گرم مباحث ہوئے۔ یہ حقیقت ہے کہ جب بھی کسی نظریے کی تبلیغ کی جاتی ہے یا کسی مسئلے پر آواز بلند کی جاتی ہے تو ہر دو طرح کی آرا کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کچھ ادیبوں نے مسعود مفتی کے اس اقدام کو خوب سراہا اور ادیب نواز مہم چلانے پر اُن کی داد و تحسین بھی کی

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان کی مخالفت اور اعتراضات کرنے والے بھی کسی طرح پیچھے نہ رہے۔ انھوں نے مختلف رسالوں اور اخبارات میں اپنے تاثرات قلمبند کروائے۔

انور سجاد نے مسعود مفتی کی آرا سے اتفاق کیا لیکن انھوں نے اپنی پہلی تنخواہ پر ہی کام کرنے پر اکتفا کیا کیوں کہ ان کا خیال ہے کہ ادکار اور ادیب کبھی بھی اپنے حقوق کی خاطر متحد نہیں ہوسکتے۔ اس مقصد کے لیے رائٹرز گلڈ کا قیام عمل میں آیا تھا جس کا نیتجہ صفر ہی رہا اور انھوں نے بھی اس کام کا ذمہ نہیں لیا۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر مسعود مفتی اس معاملے میں سنجیدہ ہیں تو انھیں اپنا ایک اشاعتی ادارہ قائم کرنا چاہیے اور جو کہہ رہے ہیں وہ عمل کر کے دکھانا چاہیے کہ ادیب کو معاوضہ کس طرح دیا جاتا ہے۔

زاہد ڈار جو ہر وقت کتاب سے منسلک رہتے ہیں۔ ان کے رائے ہے کہ ادب ایک پیغمبری پیشہ ہے اور کسی پیغمبر نے کبھی رائلٹی کا مطالبہ نہیں کیا۔ ادیب کو اچھا لکھنے پر دھیان دینا چاہیے نہ کہ اس بات پر کہ اس کی کتاب بکتی ہے یا نہیں یا اسے رائلٹی ملتی ہے یا نہیں۔

جہاں تک ہمارے قارئین کا تعلق ہے وہ ادب کی کتاب پڑھنے سے زیادہ ڈائجسٹوں میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ دھڑا دھڑ چھپتے ہیں اور ہاتھوں ہاتھ بکتے ہیں۔ ان مصنفین کو رائلٹی بھی ملتی ہے۔ زاہد ڈار کی بھی یہی رائے ہے کہ ادیب کو جتنا مل جائے، اسی پہ اکتفا کرے، نہ ملے تو بھی گلہ نہ کرے اور اس کو اپنا مسئلہ نہ بنائے۔ ان کے خیال میں اچھے ادیب کبھی بیسٹ سیلر نہیں بن سکتے۔ اگر بن جائیں تو انھیں شک کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے۔ معروف ادیب انتظار حسین "باتیں اور ملاقاتیں، میں اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں:

> "مسعود مفتی جو مہم چلا رہے ہیں۔ ٹھیک کر رہے ہیں، نیک کام کر رہے ہیں۔ زاہد ڈار بے شک ادب پڑھتا رہے، نظمیں لکھتا رہے۔ خدا سب اچھے ادیبوں کو توفیق دے کہ وہ اسی یکسوئی کے ساتھ اپنے تخلیقی کام میں مصروف رہیں لیکن کیا مضائقہ ہے کہ کوئی ادیب ادیبوں ہیں کے دنیاوی معاملات کی دیکھ بھال بھی اپنے ذمے لے لے۔ اگر ناشر سے یہ پوچھ لیا جائے کہ تم نے فلاں ادیب کی کتب چھاپی ہیں، اس کی رائنگلیسی کتنی ادا کی ہے اور کتنی تعداد میں چھاپی ہیں تو رائلٹی کیا بری بات ہے ناشروں کے اس پروپیگنڈے کی چھان بین کر لینے میں بھی کیا ہرج ہے۔ کہ ادیب سلاب کی کتاب نہیں بکتی۔ مسعود مفتی اپنے تجربے سے بتاتے ہیں کہ یہ پروپیگنڈا بالکل غلط ہے، انھوں نے خود اپنی کتابیں چھاپیں اور ایک محدود وقت میں ان کے پہلے ایڈیشن نکل گئے پھر انھوں نے ان کتابوں کے نئے ایڈیشن چھاپے۔ مسعود مفتی چاہتے ہیں کہ رائٹرز گلڈ کے آنے والے الیکشن اس سوال پر لڑے جائیں کہ ادیب کو اس کے لکھے ہوئے کا شایان شان معاوضہ ملنا چاہیے۔"(6)

رائٹرز گلڈ کا ادارہ جس مقصد کے لیے قائم کیا گیا تھا، وہ تو ناکام ہوگیا۔ انھوں نے جو بھی دعوے کیے، کسی پر عمل نہ ہوا۔ ادبی دنیا کو معروف شاعر جمیل الدین عالی کی بھی قربانی دینا پڑی۔ زیادہ سے زیادہ انھوں نے یہ کہا کہ چند ادیوں کو دورے کروادیئے یا تھوڑے بہت انعامات سے نواز دیا۔ جن دنوں جمیل الدین عالی اس ادارے کے سیکرٹری تھے۔ کتاب کی اشاعت کے حوالے سے ایک قانون قائم کیا گیا تھا۔ اس کے بعد محمد طفیل جو کہ خود ایک مشہور ناشر ہیں انھیں سیکرٹری کا عہدہ دے دیا گیا۔ انھوں نے ادیبوں کے ساتھ ساتھ ناشروں کے مفادات کو بھی اپنی ترجیح میں رکھا۔ لیکن مسعود مفتی کے مہم چلانے کا اس مقصد یہ تھا کہ رائٹرز گلڈ کے آنے والے انتخابات میں اس امیدوار کا انتخاب کیا جائے جو ادیب کو اس کی تحریروں کا مناسب معاوضہ دلوانے کے لیے جدوجہد کرے۔

منشایاد جو اردو ادب کا ایک معتبر حوالہ ہیں۔ انھوں نے بھی مسعود مفتی کی اس کاوش کو تحسین کی نگاہ سے دیکھا اور روزنامہ نوائے وقت میں اس موضوع ہر ایک کالم بھی لکھا۔ جس میں انھوں نے مسعود مفتی کے تحریر کردہ مضمون بعنوان "پاکستان میں قلم کا المیہ" کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار کیا کہ اس حقیقت کو جھٹلایا نہیں جاسکتا کہ ادیبوں کو ان کی نگارشات کا باعزت معاوضہ ملنا چاہیے۔ ناشر ادبی کتب چھاپنے میں لیت و لعل سے کام لیتے ہیں اور اگر شائع ہو بھی جائیں تو مصنف کے ہاتھ کچھ نہیں آتا لیکن یہ بات تمام ناشرین پر صادق نہیں آتی معاوضہ نہ دینے کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ادبی رسائل کے مدیران معاوضہ دینے کی پوزیشن میں نہیں

ہوتے۔ حالانکہ ناشروں کے پاس ادبی کتب کے علاوہ بھی بیچنے کے لیے بہت کچھ ہے مثلاً سستے اور رومانی چینی ناول، نصابی کتب وغیرہ۔ ناشر تو ایسی کتب بھی فروخت کر دیتے ہیں جن کے سر ورق پر کتاب کا عنوان کچھ اور ہوتا ہے اور اندر کچھ اور ہوتا ہے۔ جبکہ مصنف کو اپنی کتاب بیچنے کے لیے کتب فروشوں کی خدمات حاصل کرنا پڑتی ہے اور اس کی قیمت وصول کرنے کے لیے بہت ذلت اٹھانا پڑتی ہے۔ اس سلسلے میں منشا یاد لکھتے ہیں:

"ادبی رسائل میں سے بعض کی مالی حیثیت مضبوط ہے جو ظاہر ہے ادیبوں کی وجہ سے مضبوط ہوتی، وہ بھی معاوضے کا نام نہیں لیتے۔ ڈائجسٹ رسالے معاوضہ بھی دیتے ہیں اور اپنی اشاعت بڑھانے اور کتب و رسائل فروخت کرنے کے لیے چیلنج کی حیثیت رکھتے ہیں اور اب آہستہ آہستہ ادیبوں خصوصاً کہانی کاروں اور انشائیہ لکھنے والوں کا رجحان ڈائجسٹوں کی طرف ہوتا جا رہا ہے۔ جو نہی کسی ڈائجسٹ نے اپنا دامن وسیع کر کے اس میں سفر نامے، شاعری اور نئے افسانے چھاپنا شروع کیے ادبی پرچوں کی اشاعت کی تعداد اور گر جائے گی۔ اس لیے ضرورت ہے کہ ادبی رسائل بھی ادیبوں کو معاوضہ دینے، اشاعت بڑھانے اور رسالے کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے کی طرف توجہ دیں ورنہ زمانہ بہت بدل چکا ہے۔ ہمارے زیادہ تر ادبی پرچوں کے مدیر اچھے ادیب، شاعر، نقاد یا ایڈیٹر ضرور ہیں لیکن تجارتی رموز سے ناواقف ہیں اور نہ ہی انھوں نے اشاعت بڑھانے، ہر شہر میں پرچہ پہنچانے اور اسے فروخت کرنے کے لیے کبھی کوئی تگ و دو کی ہے۔ پرچے بے قاعدگی سے چھپتے ہیں۔ نہایت ضخیم اور مہنگے ہوتے ہیں اور ان کے پیچھے کوئی تجارتی ذہن یا ہاتھ نہیں ہوتا۔ ڈائجسٹ کی انتظامیہ کو دور دراز قصبے کے سٹالوں اور ایجنٹوں تک کے نام اور پتے معلوم ہوتے ہیں۔ ادبی پرچوں کو اپنے لکھنے والوں کو بسا اوقات پرچہ بھجوانا یاد نہیں رہتا۔ یہ اشتہارات اور پبلسٹی کا زمانہ ہے۔ چیزوں کو خود لوگوں کی ضرورت بننا چاہیے۔ ادیبوں کی ایک مجبوری یہ ہے کہ وہ ادبی رسالوں کی محدود سی برادری سے خارج ہونا نہیں چاہتے اس لیے وہ عوامی پرچوں پر ادبی رسالوں کو ترجیح دے رہے ہیں۔"(7)

منشا یاد نے مسعود مفتی کی اس کاوش میں ان کا ساتھ دیا اور مزید تجاویز پیش کیں کہ ہمارے ناشرین کو چاہیے کہ وہ علم، ادب اور کتاب سے محبت کا رویہ رکھیں اور اپنے پرچے تجارتی بنیادوں پر چلائیں۔ یہ ایک مفروضہ ہے کہ عوام گھٹیا، سستی اور فحش تحریریں پڑھنا پسند کرتے ہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ عوام تک اچھی ادبی اور معیاری تحریریں پہنچتی ہی نہیں جس سے ان کے ادبی ذوق کو جلا ملے۔ ادبی رسائل کی اشاعت میں اضافہ ہو گا تو اشتہارات بھی زیادہ ملیں گے۔ جب آمدنی بڑھے گی تو ادیبوں کو بھی ان کا جائز معاوضہ ضرور ملے گا۔

جب مسعود مفتی ادب کے معاوضے کی مہم میں سرگرم عمل تھے تو انھیں مختلف رسالوں کے ایڈیٹروں کی جانب سے دھمکی آمیز خطوط موصول ہوئے اور ان کی آواز کو دبانے کی کوشش کی گئی۔ انھیں ڈرایا دھمکایا گیا کہ اپنی اس مہم سے باز آجاؤ ورنہ نقصان کے ذمہ دار خود ہو گے۔ مسعود مفتی کا صرف اتنا سا مطالبہ تھا کہ لکھنے والے کو اس کی محنت کا صلہ دیا جائے اور یہ مطالبہ نہ تو کسی ناشر کو پسند آیا اور نہ کسی رسالے کے مدیر کو۔ ان کے لیے تکلیف دہ امر یہ تھا کہ ناشرین اور مدیر ان کی مخالفت تو سمجھ میں آتی ہے لیکن کچھ ادیبوں نے بھی اعتراضات اٹھائے۔

انتظار حسین لاہور نامہ میں لکھتے ہیں:

"اس سے متعلق کچھ اس قسم کا تصور قائم ہو گیا ہے کہ چیل کے گھونسلے میں ماس کہاں، ننگی کیا نہائے گی کیا نچوڑے گی۔ ادبی رسالے کماتے کتنا ہیں کہ ادیبوں کی تحریروں کا معاوضہ ادا کریں گے مگر مسعود مفتی کہتے ہیں کہ اکثر ادیب کے سلسلہ ہی میں یہ سوال کیوں اٹھتا ہے۔ رسالے کی اشاعت کے سلسلہ میں باقی جتنے کام کرتے ہیں وہ اپنے اپنے کام کے حساب سے معاوضہ وصول کرتے ہیں۔ خوش نویس، پرنٹنگ پریس، جلد ساز۔ ان سب کو باقاعدہ معاوضہ دیا

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

جاتا ہے مگر جب لکھنے والے کی باری آتی ہے تو عذر کیا جاتا ہے کہ ادبی رسالے کی اشاعت میں منافع ہوتا ہی نہیں کہ لکھنے والے کو معاوضہ دیا جائے۔ مسعود مفتی پوچھتے ہیں کہ یہ عذر کاتب سے کیوں نہیں کیا جاتا، پریس سے کیوں نہیں کیا جاتا۔ جلد ساز سے کیوں نہیں کیا جاتا۔ صرف لکھنے والے سے کیوں کیا جاتا ہے۔"(8)

دھمکی آمیز خط کے جواب میں مسعود مفتی نے مدیر ان سے جو سوالات کیے، ان کا جواب دینے کی بجائے انھیں ڈرانے دھمکانے کی کوشش کی گئی کیونکہ ادبی رسالوں کے مدیر یہی سمجھتے ہیں کہ ادب کی جان ان کی مٹھی میں ہے۔ وہ جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ لیکن مسعود مفتی زندگی کے حقائق کو ایک مفکر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور محب وطن ادیب ہونے کے ناتے معاشرے میں ہونے والی ناانصافیوں پر شدید ردعمل کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ کسی بھی طرح کی گیڈر بھبھکیوں سے ڈرنے والے نہیں۔ انھوں نے تمام ادیبوں کو اس بات کی طرف مائل کیا کہ رائٹرز گلڈ کے انتخابات میں صرف ان امیدواروں کی منتخب کریں جو انھیں قلم کا معاوضہ دلوانے کو یقین دہانی کروائیں۔ ادیبوں کے حقوق کے لیے کی گئی مسعود مفتی کی یہ کاوشیں ناقابلِ فراموش ہیں اور ادیب ہمیشہ اُن کے احسان مند رہیں گے۔

حوالہ جات

۱۔ مسعود مفتی، "پاکستان میں قلم کا المیہ"، لاہور: روزنامہ نوائے وقت، ۱۱ اکتوبر ۱۹۷۶ء

۲۔ مسعود مفتی، "ادبی ایڈیشن"، لاہور: روزنامہ نوائے وقت، ۱۱ اکتوبر ۱۹۷۶ء

۳۔ اظہر جاوید، "ادبی رسائل کے مسائل"، کراچی: روزنامہ امروز، ۱۲ اکتوبر ۱۹۷۹ء

۴۔ مسعود مفتی، "پاکستانی ادیب کے مسائل"، راولپنڈی: علامت، نومبر ۱۹۷۵ء، ص ۱۱

۵۔ عطاء الحق قاسمی، "روزنِ دیوار سے"، لاہور: روزنامہ نوائے وقت، ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۶ء

۶۔ انتظار حسین، "باتیں اور ملاقاتیں"، کراچی: روزنامہ مشرق، ۱۸ ستمبر ۱۹۷۹ء

۷۔ محمد منشا یاد، "ادیبوں کے معاوضے کا مسئلہ"، لاہور: روزنامہ نوائے وقت، ۸ ستمبر ۱۹۷۶ء

۸۔ انتظار حسین، "لاہور نامہ"، کراچی: روزنامہ مشرق، ۹ ستمبر، ۱۹۷۹ء